خاور نے فون رکھ دیا..

ایسی کالیں آتی رہتی تھیں.. کوئی اینا کشس کال.. خاوند یا گھر والوں کی غیر موجودگی میں گئی رات گھر اکیلے تماشہ کرنے والی کال..

ابھی وہ واپس جا کر اپنے صوفے میں دھنسنے کو تھا جب ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بلند ہو گئی.. بہت دیر تک اُس کے اعصاب پر دستک دیتی رہی.. اتنی دیر تک کہ اُسے شک ہوا کہ شاید اُس کی کوئی ایک بیٹی مسلسل کوشش کر رہی ہو..

"فون بند نہ کریں سائیں..." بھری ہوئی بھراتی ہوئی اسی آواز نے سرگوشی کی "آپ ہمارا دل نہ توڑیں.. بے رُخی نہ برتیں.. فقیر لوگوں کی صدا بھی سن لیا کریں.. فون تو بند نہ کریں.."

"میں.. آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟" اُس نے زچ ہو کر کہا..

"سائیں جو کرنا ہے ہم نے آپ کے لئے کرنا ہے.. آپ کو پڑھتے ہیں 'دیکھتے ہیں' سنتے ہیں.. تو پسند کرتے ہیں.. مرید ہیں آپ کے.. مرشد نظر کرے تو ہمارے دن بھی پلٹ جائیں.. بھاگ جاگ جائیں ہمارے.."

"خاتون میں تعارف کے بغیر آپ سے مزید گفتگو نہیں کر سکتا.. آپ پہلے بتائیں کہ آپ کون ہیں.."

ناراض نہ ہوں سائیں.." بہت لبریز.. بھری ہوئی اور میٹھی ہوئی وہ آواز تیگرس گلوکارہ ارتھا کٹ ایسی تھی.. اگر تم چاہتے ہو تو تم حاصل کر سکتے ہو.. ایسی آواز.. اور وہ کسی صورت فون بند نہیں کرنا چاہ رہا تھا.. یہ ایسی آواز تھی.. "ہم کیا ہمارا تعارف کیا.. آپ کی نظر کرم کے محتاج ہیں.. آپ کے در پر آئے ہیں تو آپ دھتکارتے ہیں.. بس ہمارا تعارف یہی ہے کہ ہم دھتکارے ہوئے لوگ ہیں اور آپ کی پناہ میں آنا چاہتے ہیں"

"دیکھیں اس قسم کی سوز و صوفیانہ گفتگو پر مجھے بھی ملکہ حاصل ہے.." وہ جھلا گیا "آپ اپنا تعارف نہیں کروائیں گی تو میں فون بند کر دوں گا.."

"فون تو رب سچے نے ملایا ہے آپ کیسے بند کر دیں گے سائیں.... ویسے مجھ فقیر حقیر کو عابدہ سومرو کہتے ہیں.. ایک اچھی شکل کے نوجوان اور ڈیشنگ سندھی وڈیرے کی سندھی منکوحہ ہوں.. ایک بچی ہے میری.. دیہات کے رہنے والے دیہاتی ان پڑھ لوگ ہیں

سائیں.. ابھی ادھر کراچی شہر کے ڈیفنس ایریا میں جھگی ڈال کر گزارہ کرتے ہیں... پوسٹل ایڈریس اگر درکار ہے تو عرض کر دیتے ہیں.. ذاتی موبائل بھی حاضر ہے جو سینے کے ساتھ لگا رہتا ہے کوئی اور نہیں سن سکتا.. اس کے سوا کچھ اور حکم کرو تو وہ بھی بیان کر دیتے ہیں مرشد..."

وہ گڑبڑا گیا.. عجیب خاتون تھی... کم از کم اس کے مرنے کے بعد وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں تو اس کا نام بھی نہیں جانتا.. اُس نے کچھ بھی پوشیدہ نہیں رکھا تھا.. سب کچھ کھول کر بیان کر دیا تھا... وہ اگرچہ تھیٹریکل انداز میں بات کرتی تھی جیسے یہ لہجہ اُس نے خصوصی طور پر اُس سے بات کرنے کے لئے اپنایا ہو.. اس کی ریہرسل کی ہو لیکن اُس کے لہجے میں بناوٹ نہ تھی ایک قدرتی بہاؤ تھا..

"آپ چاہتی کیا ہیں؟" اس کے سوا وہ اور کیا کہہ سکتا تھا..

"بس حاضری کے تمنائی ہیں سائیں.. آپ کے حکم کے بندے ہیں' آپ سے بندھے ہوئے ہیں' ذرا سی ڈور کھینچئے تو ہم چلے آئیں گے... یا آپ ادھر کا پھیرا لگا لیں.."

"کہاں کا؟"

"میں نے ابھی عرضی میں عرض کیا تھا کہ مریدوں کی جھگی کراچی میں ہے.."

"آئی ایم سوری لیکن... میرے لئے شاید یہ ممکن نہ ہو.." حالانکہ وہ ہر ہفتے کراچی جاتا تھا.. لیکن محض ایک فون کال پر کوئی بھی شخص.. خاص طور پر ایک عمر رسیدہ زوال پذیر شخص کیسے ایک انجانے اور تاریک جنگل میں اُتر سکتا تھا.. اگرچہ اُس کے اندر جو سدا بہار وجود قائم تھا اُس کی انا کو بہت تشفی ہوئی' تقویت ملی..

"تو پھر ہم حاضر ہو جائیں سائیں' اگر آپ اجازت بخشیں.."

سمندر مقابل میں تھا..

دونوں جانب بلند کناروں کے ذخیروں کے گنجلک وجود کے اوپر سویر کی ہوا سرسراتی ہوئی آتی تھی..

اُس کے پاؤں تلے کچھ نہ تھا' وہ تنہائی اس آبی گزرگاہ کے درمیان میں معلق ایک ہی مقام پر کھڑا تھا اور دائیں بائیں جو کنارے تھے وہ گہری چپ میں سرکتے تھے..

کوئی ایک پرندہ نہیں کوکتا تھا..
کوئی ایک جھینگر نہیں ٹراتا تھا..
سطحِ آب میں سے کوئی ایک مچھلی اُچھل کر اس غیر قدرتی ڈر سے لبریز چپ کو نہیں توڑتی تھی..
صرف عابدہ سومرو کی گہری بھرائی ہوئی سرگوشیاں تھیں جو بولنے لگی تھیں.. اور اُن کا ایک ایک لفظ واضح اور کھلا تھا.. وہ ایک کھلی کتاب تھی اور جانے اُسے کس کس نے کھولا تھا..

بارہ کہو کی پہاڑیوں کے پیچ و خم میں نو تعمیر شدہ تارکول کی سڑک کے کنارے جو بڑا پتھر تھا.. اُس کی کوکھ میں کچھ بھی نہ تھا..
یہ وہ بستی تھی جو صرف غلافی آنکھوں کی موجودگی سے آباد ہوتی تھی' یہاں چہل پہل شروع ہو جاتی تھی... لمبی تکونی دُم والا چھپکلا جھاڑیوں میں سے نکل کر سڑک کے پار جاتا تھا.. گھاس میں سانس آجاتے تھے اور جھاڑیوں کے پتوں کی رگوں میں زندگی حرکت کرتی تھی.. اُس کے بغیر یہ محض ایک بڑا پتھر اور ویرانے پر چلتی ہوا کی ہلکی بے جان سرسراہٹ تھی..
آج سویرے وہ اپنی مارننگ واک کے لئے معمول کا راستہ تبدیل کر کے خاص طور پر ادھر آیا تھا.. اگرچہ چڑھائی چڑھتے ہوئے اُس کے پاؤں تو کیا جوگرز بھی دُکھتے تھے اور سانس پھولتا تھا لیکن وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ غلافی آنکھیں کیا رات کی تاریکی میں یہاں آتی تھیں اور سنیکس اور ڈرنکس رکھ جاتی تھیں یا ملاقات طے ہو جانے پر پہلے ادھر آتی تھیں اور پھر مرگلہ روڈ تک واپس جاتی تھیں.. کیونکہ وہ کبھی بھی اپنے اس بھید کو ظاہر نہیں کرتی تھی..
اور اُس کوکھ میں کچھ بھی نہ تھا.. البتہ سڑک کے کنارے سگرٹوں کے مسلے ہوئے کچھ فلٹر تھے جن پر اُس کی لپ سٹک کے نامعلوم سے نشان تھے.. وہ شاید جب پھینکے گئے تو گہرے رنگ کے تھے لیکن دُھوپوں نے اُنہیں دھندلا دیا تھا..
غلافی آنکھوں نے اُسے کل ملنا تھا...

وہ گھر لوٹا تو تھکاوٹ اُس کے گھٹنوں اور پنڈلیوں میں ایسے رچی ہوئی تھی کہ اُن

میں سے ہلکی ہلکی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں اگرچہ ایک طویل سیر کا بدن کو کھولنے اور متحرک کر دینے والا لطف بھی اُن میں شامل تھا اور اُنہیں قابل برداشت بناتا تھا..

ناشتے سے پیشتر وہ گریپ فروٹ کی نیم سرخ پھانکوں پر نمک اور سیاہ مرچ چھڑک رہا تھا جب فون کی گھنٹی نے صبح کی سیر کے بعد محسوس ہونے والی تھکن کے پر لطف احساس اور سکون کو زائل کر دیا..

"ہم حاضر ہو گئے ہیں سائیں.. اب حکم کریں.." براہ راست بغیر کسی تمہید کے...

"جی..." وہ ذہنی طور پر بالکل بلینک تھا ابھی تک بدن کے کھلنے اور تازگی کی کیفیت میں تھا اور اُسے فوری طور پر کچھ پتہ نہ چلا کہ یہ کون ہے جو حاضر ہو گیا ہے..

"مرشد آپ بے رخی برتتے ہیں تو ہمیں اچھا لگتا ہے.. آپ فرمائیں تو ہم ایک مرتبہ پھر اپنا تعارف پیش کر دیں.. ہمیں یہ بھی اچھا لگتا ہے کہ آپ بھول جائیں اور ہم بتاتے رہیں کہ سائیں..." اور خاور اُسی لمحے اپنی سکوت بھری کیفیت میں سے باہر آ گیا کہ اُس کی بیٹھی ہوئی آواز کا بھنور ایسا تھا کہ اُس کی شناخت لاکھوں آوازوں میں سے فوراً الگ ہو جاتی تھی "نہیں نہیں.. وہ دراصل میں... آپ عابدہ سومرو ہیں؟"

"صرف عابدہ کہئے سائیں.. سومرو تو کوئی اور ہیں..." اُس کی آواز میں ایک ایسا تسلسل تھا جیسے وہ کسی سے مخاطب نہ ہو خود کلامی میں گم ہو "مرشد آپ نے ارشاد کیا تھا کہ آپ کا کراچی کا پھیرا نہیں لگتا تو ہم ادھر آپ کے شہر میں حاضر ہو گئے ہیں... مجھے افسوس ہے کہ آپ سے یہ کیوں پوچھا کہ آپ کراچی کا پھیرا لگاتے ہیں کہ نہیں.. متلاشی تو ہم ہیں' ہمیں کو آنا چاہئے تھا سو ہم آ گئے..."

وہ لفظوں کا بیوپار کرتا تھا.. اُن کے ہیر پھیر اور بناوٹ کا ایسا ماہر تھا کہ پرندوں کو درختوں سے اُتار سکتا تھا.. جالا بنتی مکڑی کو اُن کے زور سے پھنسا سکتا تھا.. یہ اُس کا کاروبار تھا لیکن گلے میں سے پھنس پھنس کر نکلنے والی اس آواز کے سامنے وہ بے بس اور لاچار محسوس کر رہا تھا کہ وہ جواب میں کیا کہے.. یا تو وہ جھوٹ کی اس کاریگری میں اُس سے کہیں بڑھ کر ماہر تھی اور یا پھر وہ ایک بہت بڑا سچ تھی جس سے وہ آگاہ نہیں تھا..

"جی بالکل..." اُس نے صرف اتنا کہا..

"ہم آ گئے ہیں سائیں.."

"آپ کسی ذاتی نوعیت کے کام کے لئے اسلام آباد آئی ہیں؟" سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی اُس نے بے حد سرکاری لہجے میں دریافت کیا اور فوری طور پر بے حد بیوقوف محسوس کیا..

"ہماری ذات آپ سے الگ تو نہیں ہے سائیں.. من تُو شدی والا معاملہ ہے.. تُو من شدی کا انحصار تو آپ کی نظر کرم پر ہے... فیڈرل لاج کے فیملی سویٹ ڈیرہ ہے.. اب آپ اجازت دیں تو ہم خود آستانے پر حاضر ہو جائیں.."

"جی جی.." وہ ابھی غلافی آنکھوں کے معمے کو حل نہیں کر پایا تھا اور ایک اور گتھی میں اُلجھ گیا تھا "لیکن آپ تو کراچی میں تھیں تو.."

"سائیں ان گورے کافروں نے جو یہ جیٹ ہوائی جہاز بنایا ہے تو صرف اس لئے بنایا ہے کہ یہ عشق کی مسافتوں کو مختصر کر کے مرشد کی چوکھٹ پر پہنچا دیتا ہے.. ہم پہنچ گئے ہیں.. آپ کے لئے.. تو اب حکم کریں..." وہ نہ کوئی رد عمل ظاہر کرتی تھی اور نہ اُسے کوئی جلدی تھی..

عجب آشفتہ سری تھی.. اگر تھی.. اور کیسی دیوانگی تھی.. اگر تھی.. اور وہ اس سے اب واقف ہو رہا تھا.. اس آشفتہ سری نے عمر کے اُن برسوں میں سر کیوں نہیں اُٹھایا دستک کیوں نہیں دی جب اس کی تمنا ہوتی ہے.. اس کی تڑپ میں جسم گھلتا اور بے چین ہوتا ہے.. خواہش اور حرص کا پھنیر سانپ پھن اُٹھا کر منتظر رہتا ہے کہ کوئی بدن ہو.. کیسا بھی ہو.. اور کسی بھی تناسب کا ہو اُس کو میں ڈس سکوں.. اپنے زہر سے نجات حاصل کر لوں.. تب یہ غلافی آنکھیں اور اپنے آپ کو نچھاور کر دینے والے مرید کہاں تھے.. اُس کے لُعاب میں کڑواہٹ بھری تھی اور وہ اُسے نگلنے میں دقت محسوس کرتا تھا "میں.. کچھ مصروف ہوں.. تو.."

"تو کیا ہوا.. ہم انتظار کرتے ہیں سائیں.. چوکھٹ پر پڑے رہتے ہیں جب تک دیدار کی اجازت نہیں ہوتی.. ہمیں دنیا کا اور کوئی کام نہیں... ہم اِدھر پڑے رہیں گے جب تک کہ آپ کی مصروفیت ختم نہ ہو جائے اور جب تک.. ملاقات نہ ہو جائے"

"لیکن آپ کسی سلسلے میں مجھ سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں؟" یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اب وہی پرندہ ہے جو درخت سے اُتر آتا ہے.. وہی مکڑی ہے جو اپنا تانا بانا ترک کر کے

پھنس جاتی ہے اور وہ بادشاہ ہے جو مات کھا چکا ہے اور اگر وہ اسی لمحے اُس سے غفلت برتنے لگے تو وہ اُس سے ملنے کے لئے اُس کی منت سماجت پر اُتر سکتا ہے.. اُسکے پاؤں پڑ سکتا ہے.. یہ جانتے ہوئے بھی کہ اُس نے اپنی باتوں سے اُس کے پنجے میں ایک ڈور باندھ دی ہے اور وہ لاکھ کوشش کرے اُس سے دور نہیں ہو سکتا.. ڈبکی لگائے تو بھی اُسی مقام پر رہے گا فرار حاصل نہیں کر سکتا.. اُس نے بے دلی سے یہی کہا کہ لیکن آپ کس سلسلے میں مجھ سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں..

"سلسلہ تو ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ایک ہی ہوتا ہے سائیں.. اسے کوئی سا بھی نام دے دیں.. لیکن سلسلہ تو ایک ہی ہوتا ہے.. حکم کریں تو ہم آپ کے در پر آجائیں؟"

"نہیں.." وہ جیسے ابھی تک نیند میں تھا یکدم بیدار ہوا" آج تو نہیں.. آج مجھے یہاں سے اسلام آباد جانا ہے ایک بہت ہی اشد ضروری کام ہے.. میں.. دراصل اتھارٹی کے بل ڈوزر کبھی کبھار ادھر آنکلتے ہیں اور میرا گھر.. نقشے اور اجازت کے بغیر بنا تھا تو.. مجھے خدشہ ہے کہ کہیں وہ میرے گھر کو بھی مسمار نہ کر دیں تو اتھارٹی کے دفتر میں..."

"سائیں وہ سجدہ کریں گے' سلام کریں گے اور واپس چلے جائیں گے.. ہم مرشد کی چوکھٹ کی حفاظت کریں گے... اپنے سسر کو کہہ دیں گے کہ ایسا نہ ہو.. اور ایسا نہیں ہوگا.. آپ اس کام کے لئے تو اپنے آستانے سے نہ نکلیں سائیں.. مجال ہے کسی کی.."

"تھینک یو.. لیکن.. وہ.. مجھے بہر طور اتھارٹی کے دفتر جانا ہے یہ طے ہے.."

"دفتر تو سائیں دو بجے بند ہو جائیں گے.."

"تو میں وہاں سے فارغ ہو کر... واپسی پر.. میں پوری کوشش کروں گا تو.."

"آنکھیں بچھائے منتظر ہیں سائیں... سرمد کی طرح.."

"سرمد؟"

"ہاں سائیں.. وہ بھی تو انا الحق کہتا تھا.. اور ہم بھی یہی کہتے ہیں..

آنکس کہ ترا کارِ جہانبانی داد۔ ما را ہم اسباب پریشانی داد

بخشا نہ لباس ہر کرا عیب داد۔ بے عیباں را لباسِ عریانی داد

اُس کا فارسی لہجہ اہل فارس کی مانند تھا.. اگرچہ اُن کے نصیب میں ایسی بھرائی ہوئی

بھنور میں ڈوبتی آواز نہ تھی..

اونچے کناروں کے درمیان جو خاموشی پانیوں کی نہر سکوت میں تھی اُس میں کوئی بھنور نہ تھا.. ایک ہلکی سی لہر بھی نہ اُٹھتی تھی..

نہ کوئی پرندہ.. نہ جھینگر اور نہ کوئی مچھلی..

ایک سناٹے میں سفر کرتی ایک کشتی.. اور اُس کی نوک پر بُت بنا کھڑا ایک شخص جس کے چہرے کو پانی کے چھینٹے نہ بھگوتے تھے..

اُن بل ڈوزروں نے کل خدائی کو ڈھا دینا تھا.. اُس کی چوکھٹ کو سجدہ کرنا تھا اور سلام کر کے واپس چلے جانا تھا.. مرشد کی چوکھٹ کی حفاظت اُس کا مذہب تھا..

اگر تصور میں کہیں اس کشتی پر اس لمحۂ سکوت میں.. اس سناٹے میں عابدہ سومرو اُس کے برابر میں کھڑی ہوتی تو کیا اُس کا صوفیانہ انداز کلام برقرار رہتا یا وہ ایک عام عورت ہو جاتی.. پکھی کے بھاری کولہوں اور بھرے ہوئے سینے کو دیکھ کر حسد میں مبتلا ہو جاتی.. اُسے سرور اور جعفر سے گھن آتی اور اُن دونوں کے درمیان مرشد اور مرید کا رشتہ تڑک کر کے ٹوٹ جاتا اور وہ کہتی "ڈیم اٹ.. گیٹ می آؤٹ آف ہیئر ..."

لیکن یہ تصور ممکن نہ تھا.. کیونکہ غلافی آنکھیں اپنی احتیاط پسند خصلت میں سراسر آؤٹ ڈور تھیں.. اور عابدہ سومرو ایک ان ڈور برڈ تھی جو دن کے وقت بھی بیڈ روم کے پردے کھینچ کر ٹیبل لیمپ کی روشنی میں گہرے سانس لیتی تھی..

سندھ کا وسیع پاٹ اگرچہ یہاں سے دکھائی دے رہا تھا لیکن ابھی ایک طویل فاصلے پر تھا اور فی الحال اونچے کناروں کے گھنے ذخیرے تھے اور چپ تھی..

فیڈرل لاج کے فیملی سویٹ نمبر انیس کا دروازہ ذرا سا کھلا تھا..

اُس کے اندر دھندلے سے لیمپ کی جو روشنی تھی وہ طویل برآمدے کی تاریکی میں ایک عمودی روشن لکیر کی صورت دروازے کے وا ہونے کا پتہ دیتی تھی.. اسی لئے اُسے دستک دینے کی ضرورت پیش نہ آئی..

وہ اُسے احتیاط سے ڈرتے ڈرتے دھکیل کر اندر چلا گیا..

باہر سے بالکل اندازہ نہ ہوتا تھا کہ فیملی سویٹ اندر سے ایک ہوٹل کالٹن اور روزویلٹ ہوٹل کی مانند ایک قدیم اور شاہانہ اقامت گاہ کی مہک میں رچی ہے.. بُلند چھتیں ہیں جن کے قدیم شہتیروں پر تازہ سفید پینٹ ابھی تک لشکتا ہے اگرچہ لیمپ کی روشنی وہاں تک بمشکل پہنچتی تھی.. بھاری اور بڑے وجود کے صوفے ہیں.. فرش پر شکار گاہ ڈیزائن کے اگرچہ بوسیدہ ہو چکے ایرانی قالین ہیں لیکن اُن پر بنے ہوئے ہرنوں اور لپکتے چیتوں کی آنکھیں ابھی تک زندہ ہیں اور قالینوں کی بُنتر سے الگ ہو کر آپ کو دیکھتی ہیں.. دیواروں پر کانسٹیبل کی لینڈ سکیپ پینٹنگز کی سنہری فریموں میں جڑی ہوئی کا پیئر ہیں جن میں ایک ست اور مدھ بھرا اور سرسبز ندیوں اور درختوں میں سے جھانکتا انگلستان ہے..

یہاں برطانوی راج پوری شان و شوکت اور آب و تاب سے ابھی تک ٹھہرا ہوا تھا..

اُسے دیکھ کر وہ کچھ کہے بنا خاموشی سے اُٹھی.. بھاری وکٹورین صوفے میں سے بلند ہوئی کہ وہ بلند قامت تھی.. ایک مہنگے سلک گاؤن کے اندر حرکت کرتی ہوئی اُس کے قریب آئی اور کچھ کہے بغیر اُسے اپنی لامبی بانہوں میں لپیٹ لیا اور پھر اُس کے شانے پر سر رکھ کر ایک مجسّمے کی طرح ساکت ہو گئی.. اُس کا چھریرا لچکیلا بانس بدن ہولے ہولے تھراتا تھا.. خاور کے بازو نہ اُسے لپٹا سکتے تھے اور نہ ہی فضا میں معلق رہ سکتے تھے..

"تھینک یو فار کمنگ..."

"جی..."

"سرمد منصور نے کہا تھا جو آپ کی طرح ایک مرشد ہیں..." وہ اُس کے شانے پر سر رکھے بولتی رہی.. اُس کے بالوں میں سے تازہ شیمپو کی مہک آتی تھی.. "اُنہوں نے فرمایا تھا کہ... وہ جس نے تمہیں حکومت عطا کی.. اُسی نے ہمیں بھی پریشانی کے اسباب دیئے.. جس کے اندر اُسے عیب نظر آیا اُسے لباس دے دیا اور جو بے عیب تھے اُنہیں لباسِ عریانی دیا.."

ریشم کے مسلے جانے والی کیفیت میں مبتلا گاؤن کے اندر... اُس میں مشکل سے پوشیدہ.. گاؤن کے نیچے لباسِ عریانی کے سوا اور کچھ نہ تھا اور وہ جو کچھ بھی تھا وہ دھڑکتا ہوا اُس کے سینے پر دستکیں دیتا تھا..

"آپ نے ہمیں پریشانی کے اسباب دیے.." وہ کہتی گئی اور اُس نے اب تک نہ اُس کا چہرہ دیکھا تھا اور نہ شکل سے واقف ہوا تھا صرف اُس کی بے عیب ذات کے لمس سے شناسا ہوا تھا.. خاور نے ایک سراسر اجنبی اور انوکھے تجربے سے پہلی بار روشناس ہوتے.. اپنے ڈھلکتے ہوئے بدن پر ایک کھنچے ہوئے' تنے ہوئے وجود کی حدت محسوس کرتے اور جواب میں ایک سرد اور خزاں آشنا وجود کی ٹھنڈک اور منجمد ٹھہراؤ لئے اُسے ایک نامردگی کے عالم میں اپنے بازوؤں کے حلقے سے الگ کیا... تو وہ الگ ہو گئی..

اور اُسی لمحے خاور نے مختصر لاؤنج میں رکھے بھاری صوفوں کے سامنے اُس قالین کو دیکھا جس پر ایک آٹھ نو برس کی دُبلی سی بچی ایک کھلونا ریل گاڑی میں چابی بھرتی تھی اور اُسے قالین پر کنڈلی مارے پٹڑی پر چھوڑتی تھی' ریل گاڑی یکدم تیزی سے اپنے ٹریک پر چل کر فوراً ہی اوندھی ہو جاتی تھی اور بچی نہایت بیزاری اور بے دلی سے اُسے اُٹھا کر پھر سے اُس کی چابی گھمانے لگتی تھی.. وہ بظاہر اُس کی موجودگی سے بے خبر تھی یا باخبر ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی کوشش میں تھی..

خاور نے بہت عجیب سا محسوس کیا کہ وہ ابھی اُس سے الگ ہوا تھا.. اور وہ بھی وہاں تھی..

"سویٹی..." اُس کی.. عابدہ سومرو کی آواز اپنی بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے بالکل مختلف اور نارمل تھی اُس میں بھراہٹ نام کو نہ تھی.. جیسے کوئی بھی ماں اپنی بچی کو بلاتی ہے..

بچی نے نہ اُس کی جانب نگاہ کی اور نہ ہی جواب میں کچھ کہا صرف گاڑی کو چابی دینا موقوف کر دیا..

"سویٹی.. آپ نے انکل کو سلام نہیں کیا شوگر..."

سویٹی نے نظریں اُٹھائے بغیر یہ دیکھے بغیر کہ اُدھر کون اور کونسے انکل ہیں ایک ناگواری کا "ہیلو انکل" کہا اور پھر سے اپنے کھلونے میں چابی بھرنے میں مصروف ہو گئی..

"ڈو یو کیئر فار اے ڈرنک؟"

"نو تھینک یو..."

"جیش آر سم تھنگ.."

"نہیں..."

"پلیز گومی اے سگرٹ.." اُس کی لامسی انگلیاں بھی کپکپاتی تھیں پاگل خانے کی طرح لیکن ان دونوں کی کپکپاہٹ میں کہیں کوئی فرق تھا.. لرزش کی وجوہات مختلف تھیں..

اُس نے اپنے لئے بھی ایک سگریٹ سلگالیا.. وہ باتوں کے گنجلک فریب میں اُلجھ کر آگیا تھا.. اُس کی مردانہ انا کو باتوں کے انجکشن نے جو سرور دیا تھا اُس کے تابع وہ یہاں چلا آیا تھا.. ایک عجیب و غریب صورت حال میں جو عام فہم نہیں تھی..

وہ چپ بیٹھا سگریٹ پھونکتا رہا.. سٹیج پر پرفارم ہونے والے ایک بالکل سمجھ میں نہ آنے والے ڈرامے کے تماشائی کی طرح چپ بیٹھا رہا.. دل ہی دل میں پچھتاوے کی ایک شدید لہر تھی کہ میں نے ٹکٹ خریدنے سے پیشتر بل بورڈ پر نظر کیوں نہ ڈالی.. اچھی طرح اطمینان کیوں نہ کر لیا کہ اس کھیل کو لکھنے والا کون ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے...

وہ بھی یقیناً کانونٹ سٹف تھی بلکہ اس سے بھی کہیں آگے کا نسخہ تھا.. یہ وہ مواد تھا جو کسی بھی جائز یا ناجائز خواہش' بھلے یہ بدن کی ہو یا زندگی کرنے کی.. وہ اُس کی ناتمامی اور ناآسودگی سے آشنا نہ تھا.. ویک اینڈز پر کسی سوس ریٹریٹ میں جاتا تھا.. بی ایم ڈبلیو یا مرسڈیز کاروں سے کہیں برتر تھا.. مانٹی کارلو ہاربر میں لنگر انداز کسی یاٹ میں کاک ٹیل پارٹیز کو ایک نارمل روٹین سمجھتا تھا بلکہ اُس سے بھی اُکتا چکا تھا اور زبان نہایت میٹھی ملائم اور کلچرڈ رکھتا تھا اور اپنے آپ کو درویشوں اور فقیروں کی صف میں شمار کرتا تھا... یہ سب کچھ عیاں تھا.. سٹیج پر لائٹنگ بہت مؤثر اور دھیمے سروں میں تھی.. اور صرف دو کردار نیم تاریکی میں سے اُبھر کر واضح ہو رہے تھے.. قالین پر اپنے کھیل میں مگن بچی سٹیج کے ایک کونے میں اور عابدہ سومرو اُس کے مقابل میں صوفے میں دھنسی ایک مرکزی کردار کی صورت میں اپنے مکالمے بولتی تھی اور اُس کے سگرٹ کی راکھ تیزی سے بڑھتی جاتی تھی..

"آپ آگئے تو ہم پر کرم کیا سائیں.. بس اپنا حال احوال سنانا تھا.. جب بھی آپ کو سکرین پر دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ اگر اپنا حال کہنا ہے تو اسی کو کہنا ہے.. کوئی اور نہیں ہے سائیں جو ہمارا حال سنے' ہمارا محرم ہو جائے.. تمہیں کیا پتہ سائیں کہ ہم کراموبل ہاسپٹل میں بیمار پڑے تھے اور ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا. تمہیں کیا پتہ..."

اُس کے بدن کے تانے بانے میں تھکاوٹ اور پژمردگی میں کوئی ایک گرہ تھی جو اُسے دیکھنے سے ذہن میں اٹکتی تھی' اُلجھن سے دوچار کرتی تھی... بس یہی تھی.. وہ تندرست

نہیں تھی.. اُس نے "تمہیں کیا پتہ.." اس انداز میں بھی نہیں کہا تھا کہ وہ فوری طور پر افسوس کے لہجے میں پوچھے کہ کیا ہوا تھا.. لیکن اس کے بعد وہ شاید اپنا لہجہ بھول گئی یا اُسے جان بوجھ کر ترک کر دیا اور مرشد اور مرید کے کردار سے نکل گئی اور جیسے نارمل انداز میں اپنی بیٹی سے مخاطب ہوئی تھی ویسے بولنے لگی "میں وہاں بالکل اکیلی پڑی تھی اور ڈاکٹروں کو حیرت ہوتی تھی کہ مجھے کوئی بھی ملنے نہیں آتا.. ہاں سائیں ایسا ہی ہوا تھا میرے ساتھ... خدا بخش' میرا خاوند بھی میری خبر کو نہ آیا.. اُس کو اپنی سیاست سے ہی فرصت نہ تھی.. پیروں فقیروں کا بیٹا تھا مریدوں کے دم درود سے ہی فرصت نہ تھی.. لیکن فون روزانہ کرتا تھا.. پھولوں کے انبار ہر روز پہنچتے تھے.. ڈاکٹروں کو ذاتی طور پر ہدایات دیتا تھا میری حالت کی پوری خبر رکھتا تھا لیکن خود نہیں آتا تھا... گرنڈلیز کا ایک اکاؤنٹ صرف میرے نام تھا اور میں صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ اُس میں کتنی رقم جمع ہے چیک کاٹتے ہوئے خواہ مخواہ دو تین صفر بڑھا دیتی تھی اور تب بھی وہ کیش ہو جاتا تھا... لیکن یہ تو کافی نہیں ہوتا سائیں.. رفاقت چاہئے ناں سائیں' محبت درکار ہوتی ہے.. انسان مرتا ہو تو اذیت کی شدت میں نرس کا ہاتھ تھامے ہوئے رونا تو آتا ہے ناں.. اور میں.. کوئی گری پڑی چیز تو نہیں تھی.. وہ مجھے کسی کوٹھے سے اُتار کر تو نہیں لایا تھا.. میرا باپ بھی وڈیرہ ہے' آدھے سندھ کا مالک ہے... اُس کی لینڈ کروزر ہماری زمینوں پر چلتی ہے تو اُس کے ٹائروں کے نیچے سے جو دھول اٹھتی ہے اُس کے ہر ذرے سے ایک خدا بخش بن سکتا ہے.. لینڈ کروزر کا ڈیزل ختم ہو جاتا ہے پر میرے بابا سائیں کی زمین ختم نہیں ہوتی.. تو میں گری پڑی شے نہیں ہوں.. میں آکسفورڈ میں تھی.. اور یہ جو تمہارا عمران خان ہے... امی... تو میرا کلاس فیلو تھا.. یہ کرسٹینا اور جمائمہ تو بہت بعد کی پیداوار ہیں' وہ مجھ پر مرتا تھا... منت کرتا تھا میرے پاؤں پکڑتا تھا کہ شادی کے لئے مان جاؤ پر سائیں میں کیسے مان جاتی.. میں تو ایک جیادار مشرقی لڑکی تھی اونچے خاندان کی تھی کیسے مان جاتی.. جمائمہ کے بعد بھی میرے پاس آتا رہا.. منت کرتے ہوئے میری کلائی اتنے زور سے تھامتا تھا کہ ابھی تک وہاں درد ہوتا ہے.. پھر میں ہارورڈ میں چلی گئی سائیں.. امی سے پیچھا چھڑانے کے لئے.. اور وہاں خدا بخش مکر گیا.. جانے اُسے وہاں داخلہ کیسے مل گیا تھا پر ان وڈیروں کے بڑے کو نیکشن ہوتے ہیں.. خدا بخش امی کی طرح متکبر نہ تھا' دھیمے لہجے میں مٹھاس سے بات کرتا تھا... ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑا ہو جاتا تھا... رونے لگتا تھا' چپ نہ ہوتا تھا' کہتا تھا میں مر

جاؤں گا تمہارے بغیر.. اور وہ واقعی مر جاتا اگر میں اُس کے ساتھ شادی نہ کرتی... میں نے شادی کر لی سائیں.." اُس کی آنکھیں بھرنے لگیں' بدن کپکپانے لگا جیسے اُسے سردی لگ رہی ہو "اور وہ میری خبر تک نہ لینے آیا کرا مویل ہوسپٹل لنڈن میں اور میں مر رہی تھی.."

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اُس میں ریا اور مکر کا شائبہ تک نہ تھا.. جو کہہ رہی تھی دل سے پورے یقین سے کہہ رہی تھی.. خاور اپنے تجربے کی بنا پر یہ دیکھ سکتا تھا کہ وہ کامیاب اداکاری نہیں کر رہی.. اُس میں اگر فریب کا دھوکے کا ایک ذرہ بھی ہوتا تو وہ فوراً اُس کی چبھن کو محسوس کر لیتا.. اُسے اُس پر ترس آنے لگا..

وہ سر جھکائے اپنے دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی رہی اور اُس کا ناتواں بدن ہر سسکی کے ساتھ کانپتا...

وہ ذرا آگے ہوا اور اُس کے گھٹنے کو تھپک کر کہا.. آئی ایم سوری..

گھٹنے پر تھپک ایک دستک تھی جس سے دروازہ وا ہو گیا' وہ اپنے دُکھ میں سسکتی پہلو بدل کر اُس کے ساتھ آ لگی.. وہ مختصر وجود کی مالک تھی اور زیادہ جگہ نہیں گھیرتی تھی اور اُس کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا..

بے عیبوں کو دیا جانے والا لباس عریانی نہ صرف محسوس ہوتا تھا بلکہ متحرک کرتا تھا..

اُس کی بیٹی اپنی ریل گاڑی میں مگن تھی اور ماما کی جانب اُس نے ایک بار بھی نہ دیکھا کہ وہ کسی حال میں ہے.. اُس پر کیا گزرتی ہے وہ کیوں روتی ہے..

"سائیں 'خدا بخش جو ہے..." اُس کے سانسوں کی ہوا خاور کے کان کی لویں گرم کرتی بولتی تھی اور بانس کی لچک اُس کے گرد لپٹتی تھی.... ایک بوڑھے نیگرو کی مانند بیٹھی ہوئی درد انگیز آواز میں وہ اپنی بپتا سناتی تھی "اُس کے لئے تو میں ایک آب جیکٹ ہوں.. نمائش کے لئے.. وڈیروں کی بیٹیاں کہاں اتنی پڑھی لکھی ہوتی ہیں.. آکسفورڈ اور ہارورڈ... اور کہاں ایسے ڈریس کرتی ہیں کہ لوگ ماڈلز کو بھی بھول جائیں اور اُنہیں دیکھتے رہیں.... بیچ پارٹیز پر.. سیاسی جوڑ توڑ کے ڈنرز پر... وہ اپنے آپ کو مجھ سے نمایاں کرتا ہے... اُس کے بابا سائیں کو تم بھی جانتے ہو.. فیڈرل منسٹر ہے.. اسی لئے تو ہم نے کہا تھا سائیں کہ اتھارٹی کے بل ڈوزر کل خدائی کو ڈھا دیں گے پر آپ کی چوکھٹ پر آ کر سلام کریں گے اور چلے جائیں گے.. اُن کی مجال نہیں.. سائیں آپ کی ٹانگیں تھک تو نہیں گئیں.. میرا وزن تو بیماری سے

بہت گھٹ گیا ہے... آپ کہو تو میں اُٹھ جاؤں.."

اُس نے صرف سر ہلایا..

"اور تم یقین نہیں کرو گے..." وہ بڑی آسانی سے پھر نارمل انداز کی طرف لوٹ آئی "ہاں سائیں جو باہر کے لوگ ہوتے ہیں وہ یقین نہیں کرتے کہ ایسا بھی ہوتا ہے لیکن بڑے سومرو صاحب جب ڈرنک ہو جاتے ہیں تو اپنے بیٹے کے سامنے مجھ سے فلرٹ کرنے لگتے ہیں اور خدا بخش بہت خوش ہوتا ہے کہ بابا سائیں اُس کی بیوی کو یہ اعزاز بخش رہے ہیں... لیکن مجھے بابا سائیں سے کچھ خدشہ نہیں وہ بالکل خلاص ہو چکے ہیں.. مجھے ٹھیک سے پتہ نہیں اُن کی کونسی اور مجھ سے بھی کم عمر بیوی نے مجھے بتایا تھا کہ بڑے سائیں بس چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں اور کچھ نہیں... وہ میری ہمراز ہے.. مجھے سب کچھ بتا دیتی ہے.."

خاور نے کن انکھیوں سے بچی کی طرف دیکھا جو سر جھکائے بے حد مصروف تھی اور پھر مسکرا کر کہا "مجھے یقین ہے کہ اُن کا بیٹا تو کچھ بہتر ہو گا..."

"نہیں سائیں.." اُس نے اُس کی کمر میں گدگدی کرتے ہوئے نہایت معصومیت سے اپنے آنسو پونچھے اور ہنسی روکتے ہوئے سرگوشی کی "وہ تو بابا سائیں سے بھی گیا گزرا ہے.. اُس نے تو پہلی رات ہی مجھ سے معافی مانگ لی تھی.. یہ وڈیرے لوگ کم سنی میں ہی اپنی عمر سے بڑی خرانٹ اور تجربہ کار گھریلو خادماؤں اور مزارعوں کی بیٹیوں کے ساتھ چُہلیں کرنے لگتے ہیں.. اور جب ہم تک پہنچتے ہیں تو خلاص ہو چکے ہوتے ہیں.. اُنہیں عادت ہوتی ہے ناں سائیں خدمت خاطری کی.. ہر شے کی حاضری کی.. خود کچھ نہیں کرتے سب کچھ اُن کے لئے کر دیا جاتا ہے تو جب سب کچھ خود کرنا پڑتا ہے تو رہ جاتے ہیں.."

"اور... یہ بیٹی.."

"بھولے ہو سائیں.. وہ پھر ہنسی.. اور ہنسنے سے اُس کا چھریرا وجود لچکتا ہوا اُس میں سمٹتا گیا "اتنا بندوبست تو ہو جاتا ہے ناں... کچھ ہاتھ پاؤں مار کر..."

پھر وہ چپ ہو گئی..

بہت دیر تک اُس کے کندھے پر ماتھا ٹکائے اور آزردہ اور گمشدہ بچے کی طرح آرام کرتی رہی.. جیسے نیند میں اُتر گئی ہو...

لیمپ شیڈز کی روشنی اونچی چھت کی کڑیوں میں سائے اور نقش بناتی تھی..

صرف ایک چابی کے گھمانے کی گرر گرر کی آواز آتی تھی اور بچی مگن تھی..

"پلیز ہیلپ می.." وہ یکدم اپنی نیند سے بیدار ہوئی۔ اُس کی آنکھیں بھری ہوئی تھیں اور اُن میں تھکاوٹ اور بیماری تھی "پلیز..."

اُس کی آواز میں اتنی رقت تھی.. نارسائی کی دُکھ بھری اتنی کسک تھی کہ اُس کی آنکھیں بھی نمی سے دوچار ہوئیں' وہ حقیقت کی سطح سے نیچے اُن گہرائیوں میں اُتر گیا جہاں صرف وہ تھی.. اپنی گہری سسکتی ہوئی آواز کے ساتھ.. اپنے اُس سلک گاؤن میں جس کے نیچے اگر کچھ تھا تو عیب عریانی کے سوا کچھ نہ تھا..

"ہم تمہیں جب بھی دیکھتے تھے تو دل پہ ہاتھ پڑتا تھا.. تم ہمارے دل پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھو"

عیب برہنگی کے سوا دل کے راستے میں اور کوئی عیب نہ تھا..

بچی نے ایک مرتبہ پھر ریل گاڑی کے پٹڑی سے اُتر جانے پر جھلا کر اُسے اُٹھایا' ایک نظر ماما کی جانب دیکھا.. انکل کی طرف دیکھا.. اور سر جھکا کر مکمل لاتعلقی سے پھر اپنے کھیل میں مشغول ہو گئی..

"پلیز ہیلپ می..."

وہ اُس پر حاوی ہو گئی... خاور کے زوال پذیر بوسیدہ وجود کے باوجود اُس پر حاوی ہو گئی اور عیب برہنگی کو بھی عیب نہ رہنے دیا' عیاں کر دیا.. کہ یہی انا الحق تھا..

کشتی جیسے اُس آبی گزرگاہ کے سناٹے سے زیر ہو کر تھم گئی تھی.. اگرچہ دونوں کناروں پر اُبھرے ہوئے گھنے ذخیرے آہستگی میں حرکت کر رہے تھے.. اتنی خاموشی تھی.. اُسے اپنے سانسوں کی آواز سنائی دینے لگی..

"ماماں جعفر..."

"جی سائیں.." کشتی کے پچھلے حصے میں سے اُس کی آواز تیرتی ہوئی خاور کے کانوں میں آئی..

"کشتی رُک گئی ہے؟" خاور نے پلٹ کر پوچھا اور پہلی بار اُس کی نگاہ نہر کے اُن پانیوں پر گئی جو پیچھے رہ گئے تھے اور سندھ کی وہ شاخ اب خاصی دور تھی جہاں سے وہ اس

تنکنائے میں داخل ہوئے تھے..

"نہ سائیں.." جعفر بدستور چپو تھامے کھڑا تھا" چلتی کھڑی ہے... بس ادھر ہوا کا میل ہو گیا ہے.. تو لگتا ہے کہ رُکی کھڑی ہے.. مامن ماسا بتاتا ہے کہ اُس کے زمانوں میں ادھر کسی پیر سائیں اور پانی کی عورت کا ملاپ ہوتا تھا.. پھر وہ عورت جس کا آدھا دھڑ مچھلی کا تھا پیر سائیں کو پانی میں لے گئی.. وہ کہتا تھا کہ وہ اب بھی اس نہر کی تہہ میں گھر بنائے کھڑے ہیں اور ہنسی خوشی رہتے ہیں پر وہ ادھر سے کسی کشتی کو گزرنے نہیں دیتے.. اُن کے گھر کے اوپر سے جو شے گزرتی ہے اُسے نیچے بلا لیتے ہیں.. تب سارے مہانے اوپر سے پینڈا کر کے سندھ کے ملاپ کو جاتے تھے... پر ایسا نہیں سائیں.. مامن ماسا تو اوپر دماک میں ہل گیا ہے اور بوٹی پی پی کر بھاوا ہو گیا ہے اس لئے ایسی باتیں کرتا ہے.. میں اور سرور تو ہمیشہ ادھر سے آتے ہیں پر کلمہ شریف پڑھ کے آتے ہیں تو ہمیں تو پیر سائیں اور اُن کی عورت کچھ نہیں کہتے.. آج کچھ بات ہو گئی ہے یا لگتا ہے کہ ہو گئی ہے.. بس ذرا ہولے سے آگے بڑھتی ہے.. پانی میں تیرتے تنکے دیکھو تو وہ پیچھے رہتے جاتے ہیں.. کنارے بھی ایک جگہ نہیں کھڑے تو کشتی چلتی ہے سائیں فکر نہ کرو.. آج بھی کلمہ پڑھ کر آئے تھے.."

سامنے سندھ کا چوڑا پاٹ بہت دیر سے دکھائی دے رہا تھا لیکن اتنا ہی دکھائی دیتا تھا جتنا بہت دیر پہلے دکھائی دیتا تھا' نزدیک نہ آتا تھا..

"ابھی تک کوئی ڈولفن نظر نہیں آئی جعفر... شنید تھی کہ ان پانیوں میں بہت ہیں' ادھر بسیرا کرتی ہیں.."

"جی سائیں؟" جعفر کی شکل سپاٹ تھی اور اُس پر حیرانی کا ایک سیاہ رنگ تھا" کیا بولتے ہو سائیں.."

"ڈولفن.."

"جی سائیں؟"

"سائیں نُلہن کا پوچھتے ہیں جعفر..." فہیم سوتے میں بڑبڑایا" نُلہن..."

"ہاں آں نُلہن... وہ تو مرضی کی مالک ہے سائیں' دیدار نہیں کروانا چاہتی تو اُس کے ساتھ زبردستی کون کرے.. پر ملاپ کے آس پاس ضرور دکھائی دے گی' جہاں پانی ملتے ہیں آپس میں.. اُدھر سندھ کے اندر دونوں طرف سے جب لہریں آتی ہیں تو وہاں ایک

علاقہ بنتا ہے جہاں پانی بالکل اطمینان سے ٹھہرے ہوئے ہوتے ہیں جیسے ایک بڑے گھڑے میں ہوں تو اُدھر بہت مچھلی ہوتی ہے.. اور اُسے کھانے کے لئے بلہن آتی ہے.. اُدھر دیدار کرائے گی..."

"اندھی ہوتی ہے؟"

"آنکھیں نہیں ہوتیں پر اندھی تو نہیں ہوتی سائیں... قدرت کی مرضی سے جسے دیکھنا چاہے دیکھتی ہے جسے نہ دیکھنا چاہے نہیں دیکھتی... عورت کی مانند!"

کشتی ٹھہری ہوئی لگتی تھی اگرچہ نہیں تھی..

عابدہ سومرو غلافی آنکھوں کی مانند ایک کراس ورڈ پزل نہیں تھی جس کے تمام خانے خالی ہوں..

اُس کے خانے ہی نہیں تھے..

وہ ایک جگ سا پزل تھی.. لیکن اُس کے بہت سے ٹکڑے ملتے نہیں تھے چنانچہ لاکھ جوڑنے کے باوجود جو تصویر بنتی تھی اُس میں بے ڈھنگے خلا باقی رہ جاتے تھے.. وہ گمشدہ ٹکڑے اُس نے جان بوجھ کر او جھل نہیں کر رکھے تھے وہ تو کچھ بھی نہیں چھپاتی تھی.. ہر عیب کو عیاں کرتی تھی لیکن تصویر مکمل نہیں ہوتی تھی.. اور ہر ملاقات پر گفتگو کے بعد اُس جگ سا پزل کے ٹکڑوں کے نقش بدل جاتے تھے.. جو تصویر پہلے بنتی تھی ہر بار بدل جاتی تھی اور کچھ اور بن جاتی تھی..

خاور نے ایک شام جب زیرو پوائنٹ نیم تاریکی کے نرغے میں آرہا تھا اور وہ واپس جانے کو تھے غلافی آنکھوں کو اُس کے بارے میں بتایا.. فیڈرل لاج میں جو کچھ بیتا تھا ہو بہو نہیں کہیں کہیں سے بتایا.. ایک بری طرح سنسر شدہ فلم کی طرح.. اُس کی آنکھیں دمکنے لگیں اور پھر آنسوؤں سے بھر گئیں لیکن اُن کا پانی بھی دمکتا تھا.. وہ خوش لگتی تھی..

"واقعی؟"

"ہاں..."

"یہ تو کوئی انہونی سی کہانی لگتی ہے.."

"میں اگر اُسے یہ بتاؤں کہ تم اپنے آخری بیٹے کو بیاہ کر سیدھی میرے پاس آگئی

تھی اور تمہیں میری وارڈروب کی ایک ایک شے کا علم ہے اور تم مجھے ایک کوٹھڑی میں بند رکھنا چاہتی ہو تو وہ بھی یہی کہے گی.."

"میں اُس سے ملنا چاہتی ہوں.." نہ حسد نہ رقابت' وہ ایک بچے کی طرح پر مسرت تھی..

"مجھے ابھی خود نہیں معلوم کہ میں اُسے دوبارہ ملنا چاہتا ہوں یا نہیں.."

"نہیں نہیں خاور... یہ نہ کرو.. اُسے ضرور ملو.. پلیز پلیز.." اُس نے بچوں کی طرح ہی سر ہلاتے ہوئے آنکھیں جھپکتے اسرار کیا..

"کیوں؟ تمہیں اس سے کیا غرض ہے' کیا دلچسپی ہے.."

"کیونکہ جو میں کہتی ہوں اُس نے اُس کی تصدیق کر دی ہے.. جو میں محسوس کرتی ہوں اُس نے اُن محسوسات پر سچائی کی مہر ثبت کر دی ہے... ایک ہسپتال میں ایک ہی نوعیت کے دو کیس آ جائیں تو معالج کو یقین آ جاتا ہے کہ یہ بیماری عام ہے.. اور وہ پوری سنجیدگی سے اُن کا علاج کر سکتا ہے.. وہ اور میں ایک ہی پاگل پن کا شکار ہیں اس لئے میں اُس سے ملنا چاہتی ہوں.. مجھے یقین ہے کہ وہ بالکل مجھ جیسی ہو گی.."

"نہیں تم دونوں بالکل مختلف ہو.. الگ دنیا میں ہو.. تم میں کچھ بھی مشترک نہیں.. سوائے ایک جذبے کے جس کے بارے میں میں ہمیشہ اُلجھن میں مبتلا رہتا ہوں کہ مجھے اس پر نازاں ہونا چاہیے یا میرے کردار اور میری زندگی میں کوئی ایسی کجی ہے کہ صرف ابنارمل عورتیں مجھ پر مہربان ہوتی ہیں.."

"میں تم پر مہربان نہیں ہوئی.. تم مجھ پر مہربان ہوئے ہو کہ مجھے ملنے سے انکار نہیں کیا.. ہم دونوں کا قبیلہ ایک ہے' ایک ہی نسل ہے' ہم مختلف نہیں ہیں.."

"تم ہو..." ...زیرو پوائنٹ نیم تاریکی سے اندھیرے میں اُترتا رہا "تم مختلف ہو" اور اُس نے فیڈرل لاج کی ملاقات میں جو کچھ بیتا تھا وہ ہو بہو بیان کر دیا... جو سنسر شدہ ٹکڑے تھے اُنہیں جوڑ کر کل کہانی سنا دی.. نہ اُسے کوئی صدمہ پہنچا اور نہ وہ برہم ہوئی اور نہ ہی کسی عیب برہنگی سے اُسے کوئی دھچکا پہنچا بلکہ وہ پہلے سے کہیں زیادہ دمکنے لگی..

"اُس کے پاس مرزا صاحب نہیں ہیں ناں خدا بخش ہے جو وہ کہتی ہے کہ بخشا ہوا ہے تو تم بھی اُسے کچھ بخش دو تو تمہارا کیا جاتا ہے.."

عجیب ناہنجار لیکن دل کو یکدم خوشی دینے والی عورت تھی کہ اُس میں نسوانی حسد نام کو نہ تھا اور وہ ایک اور عورت کے لئے رقابت کا جذبہ رکھنے کی بجائے اُس کی تمناؤں کی آسودگی کی سفارش کرتی تھی' وہ بھی بے اختیار ہنسنے لگا اور اُس کے گرد بازو لپیٹ کر.. جیسے ترنگ میں آکر کسی پر بہار درخت کے تنے کے گرد باہیں لپیٹ کر اُسے گرفت میں لیتے ہیں' کہنے لگا "لیکن میرے پاس تو بخشنے کے لئے بہت کچھ نہیں ہے.. ورنہ تم یہ نہ کہتی کہ میں مرزا صاحب جیسا نہیں ہوں.."

وہ اُسے پرے دھکیل کر الگ ہو گئی اور تاریکی میں بھی اُس کی شرمندگی لو دینے لگی... نیلے سویٹر کی رات کا تذکرہ اُن کے درمیان کبھی نہیں آیا تھا.. وہ دونوں زیرو پوائنٹ پر ہوتے تھے تو اُس سے بچ کر اُسے فراموش کرتے ہوئے' جیسے وہ جذبے کی دستک اُن کے رشتے کے دوران کبھی سنائی نہیں دی تھی... معمول کی باتیں کرتے رہتے تھے..

"ایسا نہ کہو... تمہارے پاس بخشنے کے لئے بہت کچھ ہے.. ایک وقتی اُبال کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی.. اگر ہوتی تو میں مرزا صاحب کو ترک کر کے تم سے ملنے کے لئے اتنے جتن کیوں کرتی... بلکہ تم کیا جانو کہ میری خوشی کا انت نہیں ہے کہ میں تو صرف تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں اور وہ تمہیں برتنا بھی چاہتی ہے.. نیلا سویٹر اب تم اُسے پہنا سکتے ہو اور میں مجرم محسوس نہیں کروں گی کہ میں اجتناب کر کے تم سے زیادتی کر رہی ہوں.. وہ تو مجھ پر احسان کر رہی ہے.. میرا بوجھ اپنے سر لے رہی ہے.. تو وہ نیلے سویٹر میں اور میں اپنے پرس میں سے چابی نکال کر قفل کھول کر تمہیں اُس کوٹھڑی میں بند.. صرف دیکھتی ہوئی!"

وہ گہری نیند میں ہوتا تو اُس کا فون آجاتا..

"ہیلو..." بھرائی ہوئی بوجھل قدرے مردانہ گہری آواز میں وہ مخاطب ہو جاتی "سائیں آپ سو تو نہیں گئے تھے؟.. ہمیں نیند نہیں آتی مرشد... کچھ ادھر بھی دھیان کرو.. ہمارے دُکھ کا بھی مداوا کرو.. ہم بیابان ہونے کو ہیں' ویران ہو رہے ہیں ہم پر برس کر ہمیں سیراب کرو.. کچھ تو کرو... ہم آپ کی مٹی ہیں اس پر پھوار پڑ جائے تو کونپلیں پھوٹیں گی سائیں.. اور ایک ایک کونپل آپ کے ناک نقشے کی گواہی دے گی.. نیند نہیں آرہی سائیں.. مٹھی بھر سکون اور گولیاں بھی پھانکی ہیں تب بھی نیند پہلے سے بھی دور ہوتی ہے.. پرے

پرے ہو کر چلی جاتی ہے' روٹھ جاتی ہے.. آپ سو تو نہیں گئے تھے؟"

"نہیں..." وہ اُٹھ کر فون کا چونگا سنبھالتا سائیڈ ٹیبل پر ہاتھ مار کر اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا لیمپ کے بٹن کو تلاش کر کے اُسے دبا دیتا..

"آپ ڈسٹرب تو ہوئے ہوں گے سائیں.. ہمیں شرمندگی ہے لیکن ہم کیا کریں.. ہم ادھر تنہا پڑے ہیں جیسے کرامویل ہوسپٹل میں تھے.. اور نیچے ہمارے لان میں... شہر میں جو بدامنی ہے اور ہر شے غارت ہوتی ہے اُس کو غارت کرنے والے بہت سے ہیں اور امن سے ہیں... خدا بخش کے بابا سائیں نے اپنے دوستوں اور حلیفوں اور مریدوں اور اُن کی گرل فرینڈز کے لئے ایک پارٹی دے رکھی ہے اور وہ سب کے سب ڈرنک ہیں.. اور کسی کو کچھ نہیں پتہ کہ وہ کس کے ساتھ آیا تھا اور اب کس کے ساتھ محو ہے.. لان بہت بڑا ہے ناں سائیں تو اُس میں جھاڑیاں بھی بہت ہیں تو ان کی اوٹ میں اُنہیں شکلیں تو دکھائی نہیں دیتیں کہ کس کی ہیں.. ابھی تو ابتدا ہو رہی ہے.. بیڈ روم بھی تیار ہیں.. لیکن ابھی جھاڑیاں ہیں..."

"تم سونے کی کوشش کرو... صبح ہو گی تو پھر بات کریں گے"

"صبح نہیں ہو گی سائیں.." اُس کی بھرائی ہوئی آواز ہچکیوں میں بدل گئی "میں بھی اس پارٹی میں تھی اور میں نے ایک زرد رنگ کی ساڑھی باندھ رکھی تھی.. اور تمہیں پتہ ہے کہ بابا سائیں نے میرے ساتھ کیا کیا... تمہیں نہیں پتہ.."

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"سائیں آپ تو جیسے معصوم خود ہیں ویسے ایک معصوم دنیا میں رہتے ہیں.. آپ کو کیا خبر کہ اس... ہماری دنیا میں کیا ہوتا ہے.. یہی ہوتا ہے اور کوئی اعتراض نہیں کرتا.. بابا سائیں تعویز گنڈا بھی کرتے ہیں' مذہب کے شیدائی اور جانثار بھی ہیں اور سیاست بھی کرتے ہیں اور وہ کچھ بھی کرتے ہیں جو اُنہوں نے آج میرے ساتھ کیا.. میری زرد ساڑھی کے ساتھ کیا.. سن رہے ہو سائیں.."

"ہاں..."

"تو میں نے خدا بخش سے شکایت کی.. میں یہ تو نہیں کہتی کہ میں سو بر تھی.. بہت تھوڑا خمار تھا باقیوں کی نسبت تو میں بہت ہوش میں تھی جب میں نے شکایت کی.." ہچکیوں میں اتنی شدت تھی کہ خاور نے بمشکل اپنے آنسوؤں پر قابو پایا "اور تمہیں پتہ ہے مرشد کہ

اُس نے مجھے مارا... ہاں.. ہی سلیپڈ می رائٹ اِن فرنٹ آف ایوری باڈی.. اور پھر مجھے اِس کمرے میں بند کر کے باہر سے تالہ لگا دیا.. ذرا سنو میں ہاتھ بڑھا کر فون ذرا کھڑکی سے باہر کرتی ہوں... کیا تمہیں اس پارٹی کی آوازیں آ رہی ہیں..."

کراچی کی سمندری ہوا کی سرسراہٹ.. مدھم موسیقی.. آوازوں کا دبا دبا شور.. کبھی کبھار کوئی قہقہہ..

"سائیں آپ ہمیں بچالو..." وہ بہت خوفزدہ اور سراسیمہ سنائی دیتی تھی..

"تم نے اُس کے ساتھ شادی کیوں کی تھی؟"

"نادان تھے سائیں.. وہ پاؤں پڑ کر رو رو کر اُنہیں گیلا کر دیتا تھا سائیں.. ہم ترس کھا گئے.. اور جب میرے بابا کو خبر ہوئی کہ اُدھر ہارورڈ میں سائیں بادشاہ کا بیٹا خدا بخش میری بیٹی عابدہ میں دلچسپی لیتا ہے تو وہ خود اُن کے علاقہ میں پہنچ گیا... بیٹی والے تو کبھی رشتے کے لئے نہیں جاتے پر وڈیرے ایسی روایت کو اُلجھن نہیں بناتے جو اُنہیں اس سے بھی بڑا اور طاقتور وڈیرہ بنا سکتی ہو. وہ خود سائیں بادشاہ کے پاس چلا گیا اور.. مجھے فروخت کر دیا... اُس کی بیٹی بڑے سائیں کے گھر میں ہو یہ کوئی معمولی بات تھی.."

"لیکن فیصلہ تو تمہارا تھا.. آکسفورڈ اور ہارورڈ نے بھی تمہیں انکار کر دینے کی ہمت نہ دی.."

"معصوم دنیا کے باسی ہو ناں سائیں اس لئے ایسے سوال کرتے ہو... تمہیں کارا کیری کا کچھ اتہ پتہ تو ہو گا.. لیکن کچھ قصور ہمارا ہے.. ہم نے بتایا ہے کہ ہمیں اُس پر ترس آ گیا.. پھر ہمارا بابا سائیں اُن کے در پر جا حاضر ہوا تو انکار کی گنجائش نہ رہی... ہم قصوروار تو ہیں پر ہم سے نادانی ہو گئی.. ہمیں معاف کر دو... ہمیں بچالو..."

بہت مدھم آوازیں.. کبھی اُس کی سرگوشیاں سنائی دیتیں اور کبھی صرف گمان ہوتا کہ کوئی آواز ہے جو جانے کیا کہتی ہے.... وہ گھنٹوں باتیں کرتی رہتی جیسے اُس کے ٹیلی فون کے چونگے میں رہائش پذیر ہو.. خاور کا وہ کان دُکھنے کو آتا.. اُس کی لویں اتنی دیر تک دبی رہتیں کہ اُن میں ٹیسیں اُٹھنے لگتیں.. اور وہ کروٹ بدل کر ریسیور کو دوسرے کان سے لگا دیتا... پھر کچھ دیر بعد وہ بھی دوہرا ہو جاتا اور دُکھنے لگتا تو وہ ریسیور کو سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیتا اور وہاں سے بھی اُس کی بوجھل اور بھاری اور نیم خوابیدہ آواز بیڈ رُوم کے سناٹے میں سنائی دیتی رہتی... ایک